✿ آپ ؓ صاحب کرامت تھے۔ نبی ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ "اگر میری امت میں کوئی صاحب الہام بندہ ہے تو وہ عمر ؓ ہے۔" [بخاری، مسلم]

✿ ایک دفعہ منبر رسول ﷺ پر خطبہ جمعہ کے دوران اچانک کہا: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف نظر رکھ!" پھر خطبہ جاری رکھا۔لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کو دیکھا۔حضرت علی ؓ نے پوچھا کہ خطبہ کے دوران آپ نے کیا کہا تھا؟ فرمایا: "خطبہ کے دوران میرے دل میں اچانک یہ خیال گزرا کہ میدان جنگ میں مجاہدین اسلام کافروں سے برسرپیکار ہیں۔اور کافر پہاڑ پرسے ان پر حملہ کرنے کے لیے گھات لگائے ہوئے تھے۔تو ممکن ہے کہ میرا یہ خیال الفاظ کا روپ دھار کر میری زبان پر آگیا ہو۔"

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا اور بتایا کہ جب مجاہدین پہاڑ کے پاس سے گزر رہے تھے تو حضرت عمر ؓ کی آواز کے مشابہ ایک آواز سنائی دی جو کہ رہا تھا: "ساریہ پہاڑ کی جانب نظر رکھو!" پس ہم نے اسی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر فتح عطا کی۔

ازواج واولاد: آپ کی اولاد میں حضرت عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ عبدالرحمٰن، زید، مجیر اور ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ان کے علاوہ بھی اولاد موجود ہیں۔

آپ کی نسل خوب پھیلی۔بنو قدامہ کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ تک پہنچتا ہے۔ان میں جمال الدین یوسف بن حسن قاضی بدرالدین (ت ۹۰۹ھ) ہے۔جو ابن الہادی المقدسی الدمشقی کے نام سے معروف ہے۔اور کتاب" الشجرة النبوية في نسب خير البرية ﷺ" کے مؤلف ہیں۔محدث امام صغانی لاہوری بھی عمری فاروقی ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی، سید مجدد الف ثانی احمد سرہندی، بابا فریدالدین المعروف شکر گنج فاروقی ہم جد ہیں۔مولانا غلام حسن بن حکیم کرم الٰہی سیالکوٹی (ت ۱۹۱۸ء) بھی فاروقی ہیں، جن کے شاگرد علامہ محمد اقبالؒ اور حافظ محمد ابراہیم میر محمدیؒ ہیں۔غلام حسن کا ایک پوتا جسٹس منیر احمد صاحب ہیں۔[الاعتصام ۲۰۱۳ء]

سال ۲۰۱۳ میں ایک بارعب، صاحب عمامہ عالم دین، جامعہ اشرفیہ لاہور میں ملا تھا۔وہ اپنی نسبت عمری فاروقی بتاتے تھے؛ مگر شجر نسب پوچھا تو موجود نہ تھا۔

نظامِ عدالت

پرانا نظامِ قضاء اور موجودہ نظامِ انصاف

تصنیف: ڈاکٹر عبدالقدیر خان　　　　انتخاب: ابو حبیب

ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور عدلیہ اس غریب ملک کے اربوں روپے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ دوسرے اداروں کے علاوہ سب سے زیادہ کرپشن کا الزام پولیس اور عدلیہ (نچلی سطح) پر ہے۔ نہ مجرم سزا پاتے ہیں اور نہ ہی غریبوں کو جلد اور صحیح انصاف مہیا ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مقدمات برسوں عدالت کی زینت رہتے ہیں؛ اور متأثر لوگ دربدر کی ٹھوکریں کھا کر فوت ہو جاتے ہیں۔ موجودہ ترقی کے دور میں واقعات یا جرائم کے حقائق جاننے کے جدید ترین طریقوں کی موجودگی میں یہ تأخیر نا قابل فہم اور نا قابل قبول ہے۔ جب آپ روز یہ واقعات پڑھتے اور سنتے ہیں تو فوراً یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا موجودہ عالیشان عمارتیں، یہ لاکھوں روپیہ تنخواہ کمانے اور دوسری قیمتی سہولتیں استعمال کرنے والے معزز جج صاحبان، ان منصفوں (قاضیوں) سے بہتر ہیں جو دری یا قالین پر بیٹھ کر فیصلے کر دیا کرتے تھے اور عوام بے حد خوش تھے۔

''قاضی'' ایسے منصف یا جج کو کہتے ہیں جو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہو، اور جس کو (عموماً) ایک اسلامی مملکت میں حکمران نے تعین کیا ہو، کیونکہ اسلام میں شرعی اور غیر شرعی معاملات و مسائل میں تفریق نہیں کی جاتی۔ اس لیے قاضی مسلمانوں سے متعلق تمام قوانین پر عمل درآمد کا حق رکھتا ہے۔ قاضی کا فیصلہ صحیح، منصفانہ اور اجماع پر مبنی ہوتا ہے۔

اسلام میں قاضی کا عہدہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شروع ہوا اور نہ صرف خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم؛ بلکہ اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں جاری رہا۔ جبکہ مفتی صاحبان اور فقہاء، اسلامی قوانین کے اصولوں کی تشریح کرنے کے ذمہ دار تھے۔ قاضی کے فرائض منصبی میں ان قوانین کا نفاذ اور ان پر عمل درآمد کرانا لازمی تھا۔ اس مقصد کے لیے بعض خلفاء اور حکمرانوں نے قاضی کو ''شُرطی''، یعنی پولیس مہیا کی تھی؛ جن کے خلاف کوئی ایک لفظ بدتمیزی کا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی حکم عدولی کا سوچ سکتا تھا۔ عباسی خلفاء نے قاضی القضاۃ یعنی چیف قاضی کا عہدہ بنایا، جس کا کام خاص طور پر حکمران کو صحیح ہدایات و مشورے دینا ہوتا اور دوسرے قاضیوں کی کارروائی پر نظر رکھنا ہوتا تھا۔ قاضی کی ذمہ داری جرائم پر کنٹرول کرنا، مجرموں کو سزا دینا اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور عوام کو حفاظت مہیا کرنا بھی تھی۔ قاضی کے محکمہ اور تعیناتی کا باقاعدہ حکم تقریباً ۷۰۵ء میں اموی خلفاء کے دور میں ہوا۔ اگرچہ اس زمانہ میں انتظامیہ اور عدلیہ کا نظام خلفیہ

کے پاس تھا، مگر پھر بھی ایک قاضی کو بہت حد تک خود مختاری حاصل تھی۔ حکمران ان کے فیصلوں میں کبھی دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ اس دور میں بھی ایک اعلیٰ عدلیہ ''مظالم'' کے نام سے قائم ہوئی تھی، جو پارٹیوں کے درمیان اختلاف کی موجودگی میں حرفِ آخر یا فائنل فیصلہ دیتی تھی۔ شُرطوں کا کام مجرموں کو سزا دینا تھا۔ اور بعض حکمرانوں نے انہیں خود مجرموں کے مقدمات کی سماعت اور سزا دینے کے اختیارات بھی دے دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، خلیفہ ہارون الرشیدؒ، سلطان محمود غزنویؒ، سلطان علاؤالدین خلجیؒ وغیرہ کا نظامِ قضا ہماری تاریخ کے سنہری ابواب ہیں۔

ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں نے بھی قاضی کا عہدہ قائم کیا تھا۔ اس کو انتظامیہ کا سربراہ بنایا گیا اور اس کو پورے شہر یا قصبہ کے انتظامی، مالی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ وہ تمام سول ریکارڈ بھی رکھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ حکمرانوں نے ان کو سپاہیوں کا ایک دستہ بھی مہیا کیا تھا۔ جو فیصلوں پر بزورِ طاقت عمل درآمد کراتے تھے۔

تاریخ اسلام میں حضرت عمرؓ نے محکمہ قضاء کو نہایت ٹھوس بنیادوں پر قائم کیا۔ قاضیوں کی تعلیم وصلاحیت کے بارے میں تفصیلی ہدایات دیں اور آپ کی عقل وفہم اور دور بینی کی مثال آپ کا قضاء کے اصول وآئین پر گورنر کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مراسلہ ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں جزیرہ عرب کے علاوہ شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، آرمینیہ، آذربیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران وغیرہ سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ تھے۔ اور وہاں قاضیوں اور انصاف کی فراہمی کا ایسا اعلیٰ نظام تھا کہ کبھی کسی شکایت کنندہ کو انصاف ملنے میں تاخیر نہیں ہوئی۔ اُس وقت ہوائی جہاز، کاریں، ٹرین، موبائل فون اور ای میل کی سہولتیں نہ تھیں؛ مگر انصاف ہر ایک کوچہ میں میسر تھا۔ محکمہ قضاء کے اخراجات بے حد کم تھے، نہ ہی محل نما عدالتیں اور نہ ہی مغربی گورنر جنرل کی طرح معزز جج صاحبان کو تنخواہیں اور سہولتیں حاصل تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مقدمہ بھی فیصلہ کئے بغیر قاضی کے پاس موجود نہ ہوتا تھا۔

آج بھی اس قسم کا نظام سعودی عرب اور اس سے ملتا جلتا نظام عدل چین میں قائم ہے، جہاں کوئی مقدمہ زیرِ التواء نہیں ہوتا، ہر مقدمہ کا فیصلہ ایک یا دو سماعتوں میں ہوتا ہے۔ اور اگر جرم ثابت ہوگیا تو فوراً سزا دی جاتی ہے۔ ہماری موجودہ عدالتوں کا نظام ۱۸۶۱ء سے شروع ہوا، جب ہندوستان کی ہائی کورٹوں کا ایکٹ پاس ہوا۔ کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں ہائی کورٹ کھولے گئے۔ ۱۸۶۶ء میں الہ آباد اور لاہور میں ایک ایک ہائی کورٹ کھلا۔ پھر یہ سلسلہ بلی کے ایک جوڑے کے بچوں کی طرح ہزاروں میں پھیل گیا اور موجود نظامِ عدلیہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

پچھلے چند برسوں میں ہماری عدلیہ کی کارکردگی اور انصاف کی فراہمی میں تاخیر اور تعطل نے مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کردیا

ہے کہ انگریزی جمہوریت کی طرح ہمارا نظامِ عدل بھی اس ملک میں ناکام ہوگیا ہے۔ یہاں انسان بااثر ہو، مالدار ہو تو چوری، رشوت ستانی اور دس سال جیل میں رہ کر بھی نومولود بچہ کی طرح پاک و معصوم ہوتا ہے اور صدر بن جاتا ہے۔ پانچ سال جیل کاٹنے والا اور بار بار توہین عدالت کرنے والا وزیرِ اعظم بن کر سینہ تان کر کھلے عام عدلیہ کی تضحیک کرتا اور مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ اربوں روپے کا غبن کرنے والا بے ضمیر وکلاء کو تین چار کروڑ روپیہ دے کر مقدمہ کو برسوں طول دلوا سکتا اور بعد میں بری بھی ہوسکتا ہے۔

ہمارے ملک میں نظامِ عدل کے تحت لاکھوں افراد کام کر رہے ہیں اور اربوں روپیہ ان پر خرچ ہو رہا ہے۔ اربوں روپیہ کی عالیشان عمارتیں ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں کام کرنے والوں کی تعداد بھی لاکھوں میں جاتی ہے اور ان پر صرف ہونے والی رقم بھی اربوں، کھربوں میں؛ مگر ملک میں قانون، امن و امان اور انصاف کی جلد فراہمی عنقا ہے۔ پچھلے چند برسوں میں ہم نے پی آئی اے، اسٹیل مل، بینک آف دی پنجاب اور سیالکوٹ میں دو نوجوانوں کا سرِ عام قتل، بے گناہ غیر ملکی سیاحوں کا قتل، لاتعداد لوگوں کو اغواء اور ماورائے قانون قتل و نظر بندی، اشیائے خورونوش میں زہریلی اشیاء کی ملاوٹ، نقلی دوا ساز فیکٹریاں، مردہ جانوروں کے گوشت کا کاروبار، بجلی، گیس، پڑولیم کی قیمتوں میں بار بار اندھا دھند اضافہ، اور سب سے افسوس ناک اور ناقابلِ قبول اور قابلِ مذمت سپریم کورٹ کی اور اس کے ججوں کی کھلے عام تضحیک اور توہین کے المناک مظاہر دیکھے۔ اگر ہمیں اربوں کھربوں روپیہ لٹا کر اور لاکھوں افراد کو بھرتی کر کے یہی ملنا تھا، تو بہتر تھا کہ ان اداروں کا قیام ہی نہ ہوتا۔ ہم عمر رسیدہ لوگوں نے انگریز کا زمانہ بھی دیکھا ہے۔ ایک ڈپٹی کمشنر سب کچھ ٹھیک رکھتا تھا اور مجرموں کو فوراً سزا، جرمانہ، جیل، پھانسی کی سزائیں مل جاتی تھیں۔ اس وقت آج کی طرح لاکھوں مقدمہ جات التوا کے شکار نہ تھے۔ بے گناہ لوگ دس دس سال جیل میں پڑے نہیں رہتے تھے۔ اس وقت عیار وکیل کروڑوں روپیہ لے کر مجرموں، چوروں اور لٹیروں کو بری نہیں کرا سکتے تھے۔

''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے دستور میں ہے: ''یہاں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوگا''؛ مگر یہاں راشی، جھوٹے، بددیانت حکمران بیٹھے ہیں اور یہاں دستور اور قرآن و سنت کے مطابق کسی قانون پر عمل نہیں ہوتا، عہدہ کی بنا پر لوگوں کو استثنٰی حاصل ہے۔ تعجب نہیں کہ اسی وجہ سے ملک پر عتاب نازل ہے اور مجرموں کی وجہ سے بے گناہ بھی پس رہے ہیں۔

وزیر اعظم (گیلانی) اور بابر اعوان کی توہین عدالت کے مقدمات کے بارے میں پڑھیے تو علم ہوتا ہے کہ اس جرم کی سزا صرف چھ ماہ ہے۔ اور روز وزیر اعظم بار بار سپریم کورٹ کو چیلنج کر رہا ہے کہ بھیج دو، چھ ماہ سے میرا کیا بگڑے گا۔